100 AADIYAATH Makky Verses 8

سورۂ عادیات

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا اس میں گیارہ آیتیں ہیں

سورۂ عادیات مکی ہے یا مدنی اس سورت شریفہ کا مکہ مکرمہ میں نازل ہونا حضرات عبد اللہ بن مسعود، جابر بن عبد اللہ انصاری، حسن بصری عکرمہ اور عطاء رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے۔ نیز سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی تفسیر سے جو آگے آرہی ہے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ قتادہ، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے پایا جاتا ہے کہ یہ سورت شریفہ مدنیہ ہے۔ چونکہ اکثر روایات اس کے مکیہ ہونے کی مؤید ہیں اس لئے ہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی بحث آگے آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ماقبل سے ربط اس سورت شریفہ کا سورت ماقبل سے ربط اور مناسبت دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ سورۂ اذا زلزلت میں انسان کے جملہ اعمال و افعال جو اس نے دنیا میں کئے تھے خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے اور خواہ وہ چھوٹے ہوں

یا بُرے، آخرت میں ان سب کو دکھا دیا جانے کا بیان فرمایا گیا تھا۔ اور یہاں یہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو راہ خدا میں مال، جان، سب کچھ قربان کردینے کے لئے تیار رہیں بلکہ وقت آن پڑے تو قربان کردینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور اکثر وہ ہیں جو سب کچھ سن لینے کے باوجود، بُرائی کی طرف مائل رہے خیر میں سے کچھ حصہ نہ لیا۔ دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ سورت سابقہ میں واخرجت الارض اثقالھا کا بیان فرمایا گیا تھا کہ قیامت کے قریب زمین اپنے تمام خزینے اور دفینے اگل دے گی۔ یہاں بھی ارشاد ہورہا ہے :۔ افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور، وحصل ما فی الصدور "کیا (انسان) نہیں جانتا کہ (ایک وقت ضرور ایسا آئیگا کہ) قبروں میں جو کچھ مدفون ہے سب کو اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اور دلوں میں جو کچھ بسا ہوا ہے سب کو ظاہر کردیا جائے گا۔" اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت شریفہ بھی ماقبل سورت کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

سورۂ عادیات کی فضیلت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم..... والعادیات تعدل نصف القرآن (محمد بن نصر) سورۂ والعادیات نصف قرآن کریم کے برابر ہے۔" نیز حضرت حسن بصریؒ سے بھی ایک حدیث شریف اسی طرح مروی ہے۔ (ابو عبید) یہ اسی بنا پر ہے کہ اس میں

قیامت کا بیان ہے جس کا تعلق دار آخرت سے ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں
جو کچھ ارشاد ہوا ہے یا تو اس کا تعلق دار دنیا سے یا دار آخرت سے۔ لہذا دار آخرت
کا بیان نصف قرآن ہوا۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ عہ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ 100-1
صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ 100-3
الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ قسم ہے دوڑنے والی (سواریوں) کی 100-5
پھر آگ نکالنے والیوں کی ٹاپ مار کر پھر تاراج کرنے والوں کی صبح سویرے پھر

عہ الضبح صوت انفاس الفرس تشبیها بالضباح وهو صوت الثعلب وقیل هو حفیف العدو (مفردات) وفی السمین الضبح صوت یسمع من صدور الخیل عند العدو ولیس بصهیل گھوڑے کے ہانپنے کی آواز کو ضبح کہتے ہیں یہ لفظ ضباح سے لیا گیا ہے جس سے لومڑی کی آواز مراد ہے۔ کسی نے کہا وہ دوڑنے کی آواز ہے۔ نیز دوڑتے وقت گھوڑے کے سینے سے جو آواز نکلتی ہے اس کو ضبح کہتے ہیں۔ یہ ہنہنانے کی آواز نہیں۔

اڑاتی ہیں اس وقت غبار، پھر گھس جاتی ہیں اسی حال فوجوں میں، بے شک آدمی اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔"

حبرالامہ کی تفسیر حبرالامہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ۔ بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ الی العدو فابطأ خبرھا فشق ذلک علیہ فاخبرہ اللہ خبرھم وما کان من امرھم فقال والعادیات ضبحا قال ھی الخیل والضبح نخیر الخیل حین تنخر فالموریات قدحا قال حین تجری الخیل توری نارا اصابت بسنابکھا الحجارۃ فالمغیرات صبحا قال ھی الخیل اغارت فصبحت العدو فاثرن بہ نقعا قال ھی الخیل اثرن بحوافرھا یقول تعدو الخیل والنقع الغبار فوسطن بہ جمعا قال الجمع العدو۔ (ابن مردویہ) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنان اسلام کی سرکوبی کے لئے ایک فوج روانہ فرمائی۔ پھر چند دنوں تک ان کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی تو یہ امر آپ پر شاق گزرا۔ اس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی خبر دی اور ان پر جو کچھ گزری اس سے اس طرح مطلع فرمایا کہ والعادیات ضبحا۔ قسم ہے تیز رو گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے حملہ آور ہو رہے ہیں۔ گھوڑے کی ناک سے جو آواز تیز دوڑتے وقت نکلتی ہے اس کو "ضبح" کہتے ہیں۔ فالموریات قدحا۔ پھر

قسم ہے چنگاریاں نکالنے والوں کی۔ یعنی جس وقت گھوڑدوڑ شروع ہوتی تو ان کے سُم پتھریلی زمین پر پڑتے ہیں تو پتھروں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی جاتی ہیں۔ (جیسے چقماق سے آگ نکلتی ہے) فالمغیرات صبحا۔ پھر قسم ہے تاخت وتاراج کرنے والوں کی صبحدم۔ (شجاعان عرب کی عادت ہے کہ وہ شبخون مارنے کو بزدلی سمجھتے ہیں اس لئے) صبح سویرے حملہ کرتے ہیں اور صبح ہوتے ہوتے دشمن کے سر پر پہنچ جاتے ہیں۔ فاثرن بہ نقعا۔ پھر اڑاتے ہیں اس گھوڑدوڑ میں غبار، یعنی گھوڑوں کے ٹاپ زمین پر پڑتے ہیں جبکہ وہ تیز دوڑ رہے ہوں تو ٹاپوں کی زد سے زمین کھُد کر غبار اڑانے لگتی ہے۔ "نقع" غبار کو کہتے ہیں۔ فوسطن بہ جمعا۔ پھر گھس جاتے ہیں اسی حالت میں دشمن کی فوجوں کے قلب میں"، گویا اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باخبر کیا گیا کہ سریّۂ اسلام کی طرف سے کسی تردد اور فکر کی ضرورت نہیں بلکہ وہ جماعت جس کام کے لئے روانہ کی گئی ہے اس کی انجام دہی میں ہمہ تن مشغول ومنہمک ہے۔ سواریاں بھی قابل تعریف ہیں اور سوار بھی قابل ستایش ہیں۔ عکرمہ، مجاہد، قتادہ، عطاء، اور عطیہ نے بھی عادیات کی تفسیر گھوڑوں ہی سے کی ہے۔

حضرت باب العلم کی تفسیر

حضرت باب العلم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے

ان آیات کریمہ کی تفسیر دوسری طرح مروی ہے۔ چنانچہ امام الائمہ کو حضرت ابن عباسؓ کی یہ تفسیر سنائی گئی تو ارشاد فرمایا:۔ واللّٰہ ان اول غزوۃ فی الاسلام لبدر وما کان معنا الا فرسان فرس للزبیر وفرس للمقداد بن الاسود فکیف یکون العادیات ضبحا۔ خدا کی قسم! اسلام میں پہلا غزوہ جو ہوا وہ غزوہ بدر تھا۔ اس میں ہمارے ساتھ کُل دو گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑا زبیر بن عوامؓ کا تھا، اور دوسرا مقداد بن الاسودؓ کا۔ پھر والعادیات ضبحا سے (جو بصیغہ جمع ارشادؔ ہوا ہے اور جمع کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہو سکتا) ہانپنے والے گھوڑے کیونکر مراد ہو سکتے ہیں؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۂ والعادیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوا مسلمان جب تک یہاں تھے نہ کوئی غزوہ درپیش ہوا اور نہ کسی جگہ سریہ بھیجنے کی نوبت آئی۔ تمام غزوات اور سرایا ہجرت مدینہ منورہ کے بعد درپیش ہوئے۔ لہٰذا ان آیات کریمہ کی تفسیر یوں ہوگی:۔ انما العادیات ضبحا من عرفۃ الی المزدلفۃ اوروا الی النیران والمغیرات صبحا من المزدلفۃ الی منی فذلک جمع واما قولہ فاثرن بہ نقعا فھو نقع الارض حین تطؤہ بخفافھا وحوافرھا۔

(ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن الانباری، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ)

والعادیات ضبحاسے مراد صرف (اونٹ ہی ہو سکتے ہیں یعنی) سواریاں جو عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوتی ہیں (وہاں رات کے وقت پہنچکر حجاج) آگ روشن کرتے ہیں (پکانے کھانے کے لئے یہ تفسیر ہوئی فالموریات قدحا کی) اور والمغیرات صبحاسے مراد ہے روانگی مزدلفہ سے منیٰ کی طرف۔ (جو نماز فجر اندھیرا رہتے پڑھی اول وقت پڑھکر بعدہ عمل میں آتی ہے) فوسطن بہ جمعاً سے مزدلفہ کا قیام مراد ہے (کیونکہ مزدلفہ کا دوسرا نام جمع ہے) ارشاد باری تعالیٰ فاثرن بہ نقعا اس سے زمین کا غبار مراد ہے جس وقت اونٹ رفتار میں ہوتے ہیں (اور خوشی خوشی دوڑتے ہیں) تو ان کے سموں سے غبار اٹھتا ہے۔" خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہوا کہ اونٹوں پر سوار ہوکر جب حجاج کے قافلے حج کے ارادے سے منیٰ و عرفات اور مزدلفہ ہوتے ہوئے منیٰ پہنچتے پھر وہاں سے فارغ ہوکر مکہ مکرمہ آتے ہیں تو یہ آمد و رفت بھی چونکہ فی سبیل اللہ اور فریضہ اسلام کی ادائی کے لئے ہے اس لئے ان اونٹوں کی اور شتر سواروں کی تیز ان کی ایک ایک حالت اور ایک ایک ادا کو سراہا جا رہا ہے اور قسم کھا کھا کر اظہار خوشنودی فرمایا جا رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابوصالح وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

عرض فقیر ہمارے نزدیک ان دونوں تفسیروں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

روانہ ہونے والی سواریوں اور سواروں سے اللہ سبحانہ کی رضا و خوشنودی کا اظہار مقصود ہے۔ خواہ وہ سواری گھوڑا ہو یا اونٹ اور سفر جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہو یا حج بیت اللہ شریف کے لئے۔ گھوڑے اور اونٹ پر ہی کیا موقوف ہے، فی زماننا جدید سواریاں، ریل، موٹر، جہاز، طیارے ایجاد ہوئے ہیں یا آئندہ کوئی اور سہولتیں سواری کی ایجاد ہوں وہ تمام اس میں داخل ہوں گی۔ اسی طرح روانگی راہ خدا میں ہو خواہ وہ جہاد ہو یا حج، یا طلب علم دین وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ اسی لئے والعادیات کی تفسیر ہم نے سواری سے کی ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ اور راہ خدا سے مراد لیا ہے جو بھی مقصد خیر ہو۔ یہ صحیح ہے کہ یہ سورت شریفہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ جمہور مفسرین بھی یہی فرماتے ہیں اس وقت جہاد فی سبیل اللہ کی وہاں کوئی صورت نہ تھی۔ البتہ اونٹوں پر حج ادا کیا جاتا تھا۔ اس وقت تک حج کی فرضیت کے احکام بھی نہیں ہوئے تھے۔ جہاد کے احکام ہجرت کے بعد صادر ہوئے اور حج کی فرضیت بھی اس کے بہت عرصہ بعد عمل میں آئی لیکن ملت ابراہیمی کے احکام کے مطابق حج ہر سال ادا ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام بھی حج میں شرکت فرماتے تھے۔ اس اعتبار سے حضرت شیر خدا باب العلم کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی تفسیر پاک کی صحت میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھیجی ہوئی جماعت کی کوئی خبر نہ ملنے سے آپ کو جو تردد لاحق ہوا اس کے دفعیہ کے لئے اس سورت شریفہ کی جانب صرف یما فرما دیا گیا جو بہت زمانہ پیشتر مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران میں آپ پر نازل ہو چکی تھی جس سے آپ کا تردد رفع ہو گیا۔ وللہ الحمد۔

کنود کی تفسیر اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ۔ بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے" حضرت ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا:۔ اتدرون ما الکنود قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ھو الکفور الذی یضرب عبدہٗ ویمنع رفدہٗ ویأکل وحدہ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر بسند ضعیف) کیا تم جانتے ہو کہ" کنود" سے کیا مراد ہے؟ صحابہ کرام نے (جو اس وقت مجلس مبارک میں حاضر تھے اپنی عادت کے مطابق) عرض کیا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا وہ ناشکر گزار ہے جو اپنے غلام کو مارتا، اور اپنی داد و دہش کو روک لیتا، اور اکیلا کھاتا ہے۔" (کسی دوسرے کو کھانے میں شریک نہیں کرتا۔ نیز حضرت قتادہ، اور حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے ان الانسان لربہ لکنود کی تفسیر میں فرمایا:۔

الکفور للنعمۃ البخیل بما اعطی الذی یمنع رفدہ ویجیع عبادہ ویأکل وحدہ ولا یعطی النائبۃ تکون فی قومہ ولا یکون کنودا حتی تکون ھذہ الخصال فیہ۔ (بیہقی) بڑا ہی ناشکر گزار نعمتوں کا اُکو (اللہ سبحانہ کے پاس سے) جو کچھ دیا گیا ہے (اس میں سے دیگر مستحقین کو دینے سے) بُخل کرتا ہو۔ جو اپنی عطا سے دوسروں کو محروم رکھتا، اور اپنے غلام کو بھوکا مارتا، اور خود اکیلا کھاجاتا ہو اور اگر اس کی قوم پر کوئی آفت آجاتی ہو تو ان کی امداد کے لئے کچھ نہیں دیتا۔ یہ تمام خصلتیں جب تک کسی میں جمع نہ ہوں اس کو "کنود" نہیں کہہ سکتے۔" حضرت حسن بصری نے یہ بھی فرمایا:۔ یعدّ المصیبات وینسی نعمۃ ربہ عزّوجلّ۔ (سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، بیہقی) "کنود" وہ ہے جو مصائب کو تو گن گن کر بتاتا رہتا ہے اور اپنے پروردگار عزّوجل کی نعمتوں کو بھول جاتا ہے" جو ہمیشہ اس کے شامل حال رہتی ہیں۔

عرضِ فقیر یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ گھوڑے اور اونٹ کو دیکھو جو تمہاری سواری کا کام دیتے اور تم کو اور تمہارے سامان کو ایک مقام سے دوسرے دور دراز مقام پر پہنچاتے ہیں۔ بھوک پیاس کی تکالیف برداشت کرتے، دھوپ برسات، سردی کی پرواہ نہیں کرتے سنگلاخ اور دشوار گزار راستوں سے رات کی تاریکی میں مصیبتیں

جھیلتے ہوئے خاموشی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ اگر تم کو دشمن سے سابقہ پڑتا ہے تو تیر و تفنگ کا اندیشہ کئے بغیر اپنی جان پر کھیل کر تمہارا ساتھ دیتے ہیں۔ خود زخموں میں چور ہوتے بلکہ جان تک دے دیتے ہیں مگر اپنے مالک کی رفاقت نہیں چھوڑتے۔ اس کے اشارے پر کام کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ معمولی دانے چارے کی خاطر' جو ان کے مالک کی طرف سے اس کو ملتا رہا۔ جانور کی اپنے آقا کے سوا نہ کسی سے دوستی اور نہ دشمنی لیکن جنگ چھڑ جانے پر اپنے مالک کے دوست کو اپنا دوست اور اپنے مالک کے دشمن کو اپنا دشمن تصور کر کے وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو اپنے دوست یا دشمن کے ساتھ کرنا چاہیئے جانور کی وفاداری اور حق شناسی کا یہ حال ہے جبھی تو اللہ سبحانہ نے اس کی ایک ایک خوبی اور ایک ایک ادا کی قسم کھائی۔ مگر انسان جس کو اللہ سبحانہ نے پیدا کیا اقسام کی نعمتوں سے سرفراز کیا۔ اشرف المخلوقات بنایا۔ اور ساری کائنات کو اس کے لئے مسخر اور تابع فرمان کیا۔ پڑھو: ۔ ولقد کرّمنا بنی آدم وحملناھم فی البرّ والبحر ورزقناھم من الطیّبات وفضّلناھم علی کثیر ممّن خلقنا تفضیلا۔ اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت دی۔ اور ان کو خشکی اور تری میں (سواریاں دیں جو) ان کو اٹھالے جائیں۔ اور ان کو حلال پاکیزہ رزق (کھانے پینے کو) دیا اور بہتیری مخلوقات پر ان کو خاصی برتری دی'' بایں ہمہ اس انسان کا یہ حال ہے کہ

نہ وہ اپنے خالق کو پہچانتا، نہ ہماری نعمتوں کی قدر جانتا، نہ ہمارا حکم سنتا، نہ ہمارے کام میں لگا رہتا۔ سچ ہے اولٰئك كالانعام بل هم اضل سبيلا۔ ایسے لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ نہ اس کو ہمارے دوستوں سے دوستی ہے اور نہ ہمارے دشمنوں سے دشمنی۔ بلکہ اس کے خلاف وہ ہمارے دوستوں کا تو دشمن بنا ہوا ہے اور ہمارے دشمنوں سے دوستی جوڑتا رہتا ہے۔

عرب کے تین مشہور اشخاص کہتے ہیں کہ عرب میں تین شخص، تین صفات میں ضرب المثل تھے۔ حاتم طائی سخاوت میں، اور ابوحباحب بخل میں، اور اشعب حرص میں۔ حاتم طائی کی سخاوت تو مشہور ہے۔ ابوحباحب کے بخل کا یہ حال تھا کہ لوگ جب تک جاگتے رہتے اپنا چولھا نہ سلگاتا۔ جب تمام لوگ سو جاتے تو یہ چولھا سلگاتا۔ اور اگر اتفاق سے کوئی نیند سے اٹھ جائے تو فوراً بجھا دیتا تاکہ اس کی آگ سے کسی کو فائدہ نہ پہنچنے پائے۔ اور اشعب کی حرص و لالچ کا یہ عالم کہ اگر کسی کو دیکھتا کہ وہ کھجانے کے لئے بھی اپنا ہاتھ گردن کے پاس لے گیا ہے تو اشعب یہ سمجھتا کہ وہ اپنا قمیص اتار کر اس کو دینا چاہتا ہے اور اگر کبھی دیکھ لیا کہ راستے سے کوئی برات آرہی ہے تو فوراً اپنے گھر کے سامنے جھاڑو دے دیا کرتا اس توقع پر کہ برات اسی کے گھر آرہی ہے۔ بہرحال یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ بخل اور طمع صفات مذمومہ ہیں ان سے انسان کو دور رہنا چاہیے۔ اور صفات

فاضلہ کا خود کو خوگر بنانا چاہئے۔ جیسے سخاوت و قناعت وغیرہ۔

وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۗ 100-7 100-8

اور یقیناً وہ انسان اپنے اس حال پر گواہ ہے۔ اور یقیناً وہ مال کی چاہت میں بڑا ہی سخت ہے۔"

علی ذلك لشهيد کی تفسیر

و انه علی ذلك لشهيد کی تفسیر دو طرح کی گئی ہے۔ حضرت مجاہد و قتادہ نے انہ کی ضمیر کا مرجع لربہ کو قرار دیا ہے جو اس سے پیشتر کی آیۂ کریمہ ان الانسان لربہ لکنود میں مذکور ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ بے شک پروردگار عالم انسان کے ناسپاس ہونے کا گواہ ہے۔ اس سے کسی کی کوئی بات یا پوشیدہ صفت چھپ نہیں سکتی۔ یہ اس بنا پر ہے کہ ضمیر کا مرجع قریب کے کلمہ کو قرار دینا ممکن ہے تو قریب کے کلمہ ہی کو مرجع قرار دینا اولی و انسب ہے۔ ظاہر ہے کہ انہ کی ضمیر سے ان الانسان لربہ میں لربہ قریب تر ہے اور الانسان اس کے مقابلے میں بعید ہے۔ چنانچہ حضرت مجاہدؒ و انه علی ذلك لشهيد کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ۔ اللہ عزّوجلّ۔ (ابن ابی حاتم) بے شک خدائے عزوجل انسان کی ناشکری کا گواہ ہے۔" اور حضرت قتادہ یوں تفسیر فرماتے ہیں:۔

وان اللہ علی ذلك لشهيد وان الانسان لحب الخير لشديد۔ (عبدبن

حمید، ابن جریر) یقیناً اللہ سبحانہ تعالیٰ انسان کے ناشکر گزار ہونے کا گواہ ہے اور بیشک انسان مال کی محبت میں بڑا ہی سخت ہے۔" اکثر مفسرین کرام نے یہی تفسیر فرمائی ہے۔ مگر حضرت ابن عباسؓ، حسن بصریؒ اور محمد بن کعب نے انّه علی ذلك اور انّه لحب الخیر دونوں جگہ انّه کی ضمیر کا مرجع الانسان کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے وانه علی ذلك لشهید کی تفسیر میں فرمایا:۔ الانسان (ابن المنذر) یعنی انسان اپنے آپ پر گواہ ہے۔" اسی طرح حضرت محمد بن کعب فرماتے ہیں:۔ الانسان شاهد علی نفسه۔ (ابن ابی حاتم) انسان خود اپنی ذات پر آپ گواہ ہے۔" کہ وہ کنود ہے یعنی اپنے منعم حقیقی کا ناشکر گزار ہے۔ اس کے ثبوت میں کسی شاہد کو پیش کرنے کی حاجت نہیں بلکہ انسان بجائے خود غور کرے تو اس کا ضمیر ہی گواہی دیگا کہ وہ پرلے درجہ کا ناسپاس ہے۔ ہمارے نزدیک یہی تفسیر اولیٰ و انسب ہے کیونکہ اس صورت میں انه علی ذلك اور انه لحب الخیر دونوں انه کی ضمیر کا مرجع بدلتا نہیں

لحب الخیر لشدید کی تفسیر

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ۔ اور بے شک انسان مال کی محبت میں بڑا ہی سخت ہے۔" یہاں مفسرین کرام نے خیر کی تفسیر مال ہی سے کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ الخیر قال المال۔ (ابن المنذر) خیر سے یہاں مال مراد ہے۔" اور حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔

وانہ لحب الخیر قال ھو المال ۔ (ابن ابی حاتم) یہاں حب خیر سے حب مال مراد ہے" ان دونوں آیات کریمہ میں انسان کی ناسپاسی اور مال کی محبت کو بیان کیا گیا ہے کہ مال کی چاہت اس پر غالب ہے اور اس بارے میں انسان بہت سخت ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے :۔ لو کان لابن آدم وادیان لابتغی ثالثا۔ اگر آدم کے بیٹے کے لئے دو ندیاں (مال وزر کی) ہوتیں (ایک میں چاندی بہتی رہتی اور دوسری میں زر سرخ) پھر بھی وہ تیسری وادی کی طلب میں لگا رہتا" حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا :۔

چشم تنگ مرد دنیادار را یا قناعت پُر کند یا خاک گور

تفسیر روح البیان میں ہے :۔ شیخ الاسلام قدس سرہٗ فرمودہ کہ اگر مال را دوست می داری بدہ تا باز بتو دہند و برائے وارث منہ کہ داغ حسرت بر دل تو نہند ؎

مال ہماں بہ کہ بیاراں دہی گر بدہی بہ کہ بجا کش نہی

زر ز پئے منفعت است اے حکیم بہر نہادن چہ سفال و چہ سیم

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۙ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۙ 100-

إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۚ کیا پھر نہیں جانتا وہ انسان جب کہ 100-

اٹھا لایا جائے جو کچھ قبروں میں ہے اور نمایاں کیا جائے جو کچھ سینوں میں (چھپا ہوا) ہے

ع ۱ / ۲۵

یقیناً ان کا پروردگار اس دن ان سب کے احوال سے خوب ہی باخبر ہے۔"

بعثر ما فی القبور کی تفسیر

کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں قبروں میں دفن کیے ہوئے مردے اٹھا کھڑا کیے جائیں گے خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان، اس وقت یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کتنا مال جمع کیا اور کیا اندوختہ چھوڑا؟ مال کی محبت میں اس کے پیچھے صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک تمھیں ایک ہی دھن لگی ہوئی تھی کہ روپیہ روپیہ، پیسہ پیسہ۔ حالانکہ سورۂ زلزال میں جتا دیا گیا ہے کہ جس مال و دولت کی طلب میں لگے ہوئے ہو قیامت کے قریب زمین تمام دفینے اور خزینے اگل دیگی اور کہا جائے گا کہ ڈھیروں مال و دولت سے جتنا چاہو لے جاؤ مگر وہ ایسی سراسیمگی کا عالم ہوگا کہ اٹھالے جانا تو بڑی بات ہے ادھر کوئی رخ تک نہ کرے گا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ من فی القبور کی جگہ ما فی القبور ارشاد ہوا تا کہ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کو شامل رہے دفن کیے ہوئے انسان اور زیر زمین محفوظ کیے ہوئے خزانے بھی مراد ہوں، یا یہ کہ انسان جب تک قبر میں بحالت مردگی تھا تو لا یعقل ہی تھا اسلئے ما فی القبور کلمۂ ما کے ساتھ ارشاد ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو قیامت میں زندہ ہو کر اٹھنا کیا معلوم نہیں ہے؟ اگر اب تک معلوم نہ تھا تو اب اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ

ایسا ایک دن آنے والا ہے جس میں سب کے سب قبروں سے زندہ کر کے اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔ اور اگر معلوم ہے تو پھر اس نے اس دن کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس پر ہر شخص کو غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس دن کے آنے کا جو وعدہ دیا گیا ہے وہ ضرور آکر رہے گا۔ ٹلنے والا نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ منکرین اپنے انکار پر ہی اڑے ہوئے رہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر انسان روز قیامت اور یوم الجزا کیا ہے اس کو آج نہیں جانتا اور اس کا یقین نہیں کرتا ہے تو جس وقت تمام مردے زندہ ہو کر اپنی اپنی قبروں سے نکل کر باہر آجائیں گے اس دن ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان ربھم بھم یومئذ لخبیر۔ ان کا پروردگار ان کے جملہ احوال سے پوری طرح باخبر ہے" اور جب باخبر ہے تو ہر عمل کی جزا دے گا۔ ان خیر افخیر وان شر افشر۔ کوئی عمل نیک ہو تو اس کی جزا بھی نیک اور جو عمل برا ہو تو اس کی جزا بھی بری" جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

وحصل ما فی الصدور کی تفسیر | وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ۔ اور نمایاں کیا جائے جو (چھپا ہوا ہے) سینوں میں" یعنی انسان اپنے دل میں ایک ایک بات اور ایک ایک منصوبہ جو چھپا یا ہوا تھا اس کو کھول کر رکھ دیا جائے گا کیونکہ وہ دنیا میں رہنے تک رات دن جو کچھ کرتا یا کہتا تھا یا کرنے اور کہنے کا ارادہ کرتا تھا فرشتے اس کو

نامۂ اعمال میں لکھتے جاتے تھے۔ قیامت ہوگی تو صحائف اعمال جو اسوقت دفتر اعمال میں بند ہیں اس دن کھول کر دکھائے جائینگے اور کس نے کیا کیا اور کیا ارادہ رکھتا تھا وہ سب کچھ ظاہر کردیا جائے گا اگر نیک کام کرتا رہا اور بہتیرے نیک ارادے بھی رکھتا تھا تو عمل اور نیت دونوں کا اجر پائیگا۔ اور سرخرو اٹھیگا۔ اور اگر عمل بھی برا تھا اور نیت بھی بُری تو صرف بدکاری کی سزا ملیگی۔

یومئذ لخبیر کی تفسیر اِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ۔ یقیناً ان کا پروردگار اس دن ان کے احوال سے بخوبی باخبر ہے۔ یعنی جب قبروں سے تمام مردے زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے اور سب کے صحائف اعمال کھول کر رکھ دیے جائینگے تو منکرین کے لئے وہ وقت کیسا کٹھن اور دشوار گزار ہوگا؟ صحائف اعمال اور مادی شہادات جن کا بیان سورۂ زلزال کی تفسیر کے سلسلے میں گزرچکا یہ سب رہے ایک طرف۔ خود ان کا پروردگار بھی ایک ایک کے احوال سے اچھی طرح باخبر ہے۔ پھر منکرین کے لئے چارۂ کار کیا ہوگا؟ اس پر ہر شخص کو ابھی سے غور کرنا چاہیے ورنہ حسرت وندامت ہی رہ جائے گی۔ جو اس وقت کچھ کام نہ دیگی۔ مقام حیرت ہے کہ سواری کا جانور جسکو معمولی طور پر دانہ چارہ ڈالا جاتا ہے اس کی وفا شعاری کا یہ عالم کہ بڑے بڑے معرکوں میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کرتا اور اپنی ساری توانائیوں کو مالک کی خدمت میں لگادیتا بلکہ اپنی جان پر کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ مگر انسان کا یہ حال ہے کہ اپنے پروردگار کی نعمتوں سے مالامال ہوکر بھی اس کو بھولا ہوا بلکہ اس کا منکر بنا ہوا ہے۔ افسوس صد افسوس۔ موجود الوقت فرصت کو غنیمت جان کر یہیں سے کچھ سامان کرلیا جائے تو بروقت کارآمد ہو ورنہ پروردگار کے ساتھ بیوفائی اور ناشکری کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ واللہ الموفق

الحمد للہ کہ سورۂ عادیات کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔